۱

اسلامی قانون کے مآخذ

مأخذِ اوّل — قرآن

شریعۃ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

سلسلہ مطالعہ اسلامی قانون (۱)

اسلامی قانون کے مآخذ

(مأخذ اول - قرآن)

شہزاد اقبال شام

شریعہ اکیڈمی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی قانون کے مآخذ

مأخذ اوّل-قرآن

تالیف:	شہزاد اقبال شام
نظر ثانی وراہ نمائی:	ا۔ جسٹس ڈاکٹر فدا محمد خان
	۲۔ پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن (مرحوم)
	۳۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی
نگران مطالعہ اسلامی قانون:	شہزاد اقبال شام
نگران منشورات:	حافظ حبیب الرحمٰن / محمد نذیر
ناشر:	شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
طبع اول:	۱۹۹۳
طبع دوم:	۱۹۹۷
طبع سوم:	۲۰۰۲ء
طبع چہارم	۲۰۰۳
طبع پنجم	۲۰۰۴
قیمت:	۳۰ روپے

فہرست مضامین

۱	تعارف	۱
۲	مأخذ اول - قرآن	۳
	(۱) قرآن کا مختصر تعارف	۴
	(۲) قرآن کی ترتیب اور نظم	۶
	(۳) قرآن کے احکام	۸
	(۴) قرآن کریم عربی زبان میں ہے	۱۰
	(۵) نزول قرآن کی کیفیت	۱۱
۳	قرآن فہمی کے بنیادی اصول	۱۱
	(۱) تدریج	۱۲
	(۲) نسخ	۱۳
	(۳) عدم حرج	۱۷
	(۴) قلّت تکلیف	۱۸
	(۵) شان نزول	۱۸
	(۶) نزول قرآن کے وقت عربوں کی معاشرتی حالت	۱۹
	(۷) محکم اور متشابہات کا فرق	۲۰
	(۸) خاص اور عام کا فرق	۲۱
	الف - خاص	۲۱
	(ا) امر	۲۲
	(ب) نہی	۲۲
	(ج) مطلق اور مقید	۲۲
	ب -- عام	۲۲

	(۹) مجمل اور مفسر	۲۳
	(۱۰) مکی اور مدنی سورتوں کا فرق	۲۴
	(۱۱) قرآنی آیات اور سورتوں کی تقسیم دیگر حوالوں سے	۲۵
۴	قرآن فہمی کی شرائط	۲۵
	(۱) نیت کی پاکیزگی	۲۶
	(۲) قرآن کی برتری کو ماننا	۲۶
	(۳) خود کو قرآنی تقاضوں کے مطابق بدلنے کا عزم	۲۷
	(۴) تدبر اور غور و فکر	۲۸
	(۵) اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کے لئے دعا	۲۸
۵	خلاصہ کلام	۲۹
۶	مزید مطالعہ کے لئے	۲۹
۷	حواشی	۲۹
۸	مصادر و مراجع	۳۰

پیش لفظ

اسلام کی طویل فکری اور عملی تاریخ میں مسلم اہل علم و دانش کو گوناگوں چیلنجوں اور مبارزتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ دور تابعین میں وضع حدیث اور قضاء و قدر کے بارہ میں شبہات سے لے کر دور جدید کے مغربی علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے استیلاء تک کا یہ سارا زمانہ ایک مسلسل فکری جہاد اور علمی دفاع سے عبارت ہے۔ اس پورے دور میں اہل علم نے نہ صرف حالات زمانہ کو پیش نظر رکھا، بلکہ ہر نئی فکری مبارزت کے جواب میں اکثر و بیشتر انہی ہتھیاروں اور وسائل سے کام لیا جن سے کام لے کر اسلام پر اعتراضات کئے گئے۔ اس کی کامیاب ترین مثال یونانی علوم و فنون سے مسلمانوں کا معاملہ ہے۔ ابتدائی سو، سوا سو سال کے عبوری دور کے بعد بھی مسلمان مفکرین نے یونانی منطق اور فلسفہ سے اسلامی عقائد کی تفسیر و توضیح کی اور اسلامی تعلیمات کی تبیین و تفہیم کا وہ کام لینا شروع کر دیا تھا جس کے عجیب و غریب نمونے امام غزالی، امام رازی، امام شاطبی اور شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہ کی تحریروں میں ملتے ہیں۔

دور جدید میں اس کام کی اہمیت اور پیچیدگی پہلے سے بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ پہلے مبارزت صرف ایک میدان میں تھی، یعنی فلسفہ، منطق اور عقلیات کا میدان۔ اب یہ مبارزت زندگی کے ہر میدان میں ہے۔ فلسفہ اور انسانی علوم سے لے کر روزمرہ زندگی کے مظاہر تک، آج ہر قدم پر دنیائے اسلام کو بیرونی اور خارجی قوتوں سے قدم قدم پر نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے۔ ان میں سے بعض مقامات میں یہ نبرد آزمائی نسبتاً" زیادہ اہم اور فوری نوعیت کی ہے اور حالات کا تقاضا ہے کہ ملت مسلمہ ان معاملات کے بارہ میں فوری طور پر اپنے کو صف آراء کرے اور اپنے وسائل و اسباب کو کماحقہ استعمال کرے۔ ان اہم اور فوری امور میں ایک انتہائی اہم مسئلہ قانونی، دستوری اور عدالتی معاملات کا ہے۔ اس میدان میں مغربی تصورات و افکار کے تسلط اور غلبہ نے ایک بڑے طبقہ کے ذہن کو متاثر بلکہ ماؤف کر دیا ہے کہ یہ طبقہ اسلام کے تصورات و نظریات کو سمجھنے میں اس طرح مشکل محسوس کرتا ہے جس طرح کوئی بھی مغربی دانشور۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ دنیائے اسلام میں اس صورت حال کے خلاف ایک شدید رد عمل اٹھتا نظر آرہا ہے جو اگر مثبت اور تعمیری خطوط پر آگے بڑھا تو ایک بڑی خوشگوار تبدیلی کا ذریعہ بنے گا۔

اسی رد عمل کا مظہر وہ دلی آرزو ہے جو اسلام کے تصور عدل و احسان پر مبنی معاشرہ کے قیام اور اسلامی تصورات کے عملی نفاذ عالم اسلام کے گوشہ گوشہ اور چپہ چپہ میں اٹھتی نظر آتی ہے۔ اسی آرزو کی تکمیل کے انتظار میں آج لاکھوں گردنیں کٹ رہی ہیں، لاکھوں گھر اجڑ رہے ہیں، کتنے ہیں جو گھر سے بے گھر ہو رہے ہیں اور کروڑوں دل ہیں جو اس دیرینہ خواب کی تعبیر کی تمنا میں دھڑک رہے ہیں۔ لیکن اس خواب کی تعبیر اس قدر آسان نہیں ہے جتنا ہم میں سے بعض حضرات سمجھتے ہیں۔ اس خواب کی تعبیر ایک طویل سفر کی متقاضی ہے۔ ایسا طویل سفر جس کی پہلی منزل، ایک فکری تبدیلی، ایک تعلیمی تحریک اور ایک ذہنی انقلاب سے عبارت ہے۔ جب تک اسلام کے تصورات و تعلیمات پر گہرا ایمان رکھنے والی، دور جدید میں ان کو روبہ عمل لانے کے جذبہ سے سرشار اور اس راہ کی مشکلات سے کلی طور پر آگاہی اور ادراک رکھنے والی نسل وجود میں نہیں آئے گی اس وقت تک اس خواب کو حقیقت کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔

اس پہلی منزل کا پہلا قدم اسلامی فقہ اور قانون کی کماحقہ تعلیم و تدریس اور اس سلسلہ میں ضروری مردان کار کی تیاری کا کام ہے۔ ایسے مردان کار جو اسلامی فقہ کو اس کے بنیادی ماخذ و مصادر سے براہ راست سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں، جن کو رائج الوقت قانونی، دستوری، اور عدالتی تصورات سے گہری لیکن ناقدانہ واقفیت حاصل ہو، جو شریعت کی حقانیت اور صلاحیت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں اور دور جدید میں اس کی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کا مومنانہ جذبہ رکھتے ہوں۔ ایسے افراد کی تیاری وقت کی وہ اہم ضرورت ہے جس کو ہماری ملی ترجیحات میں ابھی تک وہ جگہ حاصل نہیں ہوئی جو اس کو ہونی چاہیے تھی۔

بلاشبہ ہمارے بہت سے دینی اداروں اور اسلامی تعلیم کے مراکز میں فقہ کی تدریس و تحقیق کا کام ہو رہا ہے اور فقہی موضوعات پر کتابیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ قطعاً" ناکافی ہے۔ اس تعلیم و تحقیق کا ہمارے قانونی نظام اور دستوری اداروں پر اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ وطن عزیز میں نفاذ اسلام کے کام میں پیش رفت نہ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کی شریعہ اکیڈمی اسی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے قائم کی گئی۔ اکیڈمی نے وکلاء اور ارکان عدلیہ کے تربیتی پروگراموں کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ایک شعبہ قائم کیا جس کے تحت اردو اور انگریزی میں مختلف موضوعات پر جدید انداز سے اسلامی قوانین کے مختلف پہلوؤں پر کتابوں کی اشاعت کے ایک

طویل المیعاد منصوبے کا آغاز کیا گیا ہے۔ تصنیف و تحقیق اور نشر و اشاعت کے اس طویل منصوبہ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی نے آج سے چند سال قبل ایک شعبہ ایسا بھی قائم کیا جہاں فاصلاتی تعلیم کے اصولوں کے تحت فقہ اسلامی کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہماری یہ متواضعانہ پیش کش مقبول ہوئی اور اللہ رب العزت نے اپنی بے پایاں نعمت اور لامتناہی فضل سے ہماری اس کاوش کو کامیابی سے نوازا اور ہم تین سال کی مختصر مدت میں اس کورس کے ذریعہ پاکستان اور بیرون پاکستان کے کوئی ڈیڑھ ہزار افراد تک اسلامی قانون اور فقہ کی ایک مربوط اور جامع تصویر پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔

زیر نظر کورس وکلاء، طلبہ قانون اور عام تعلیم یافتہ حضرات کے لئے ہے۔ اس کا دورانیہ ایک سال ہے اور یہ چوبیس اسباق یا یونٹوں پر مشتمل ہے جن میں فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ہر سبق میں تدریسی مواد کے ساتھ ساتھ مزید مطالعہ کے لئے کتابوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

مطالعہ قانون اسلامی کے اس ابتدائی کورس کے بعد چار دوسرے کورس بھی تیار کرائے جارہے ہیں جو فقہ اسلامی کے مختلف موضوعات پر ہیں۔ ہمارے ان "ایڈوانس کورسز" کی تیاری کا کام جاری ہے اور جلد ہی ہم ان کو بھی شروع کر دیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

کچھ اس یونٹ کے بارہ میں

زیر نظر یونٹ اس کورس کا پہلا یونٹ، ہے جو اسلامی قانون کے مأخذ اول، یعنی قرآن مجید سے بحث کرتا ہے۔ یہ یونٹ مطالعہ اسلامی قانون کورس کی پہلی کڑی ہے۔ جس کا موضوع قرآن مجید ہے۔ فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ قرآن کے بارہ میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ یہ وہ بنیادی سرچشمہ قانون ہے جس کا ایک ایک لفظ خالق کائنات کی طرف سے ہے۔ یہی وہ دستور حیات ہے جس کی روشنی میں انسانی زندگی کے جملہ مسائل حل کئے جاسکتے ہیں۔ اس بنیادی کتاب ہدایت کے علاوہ دوسرا اہم اور بنیادی مأخذ سنت رسول ہے۔ ان کے بعد دو ثانوی مآخذ کا نمبر آتا ہے لیکن جو بنیادی اہمیت قرآن کو حاصل ہے کوئی دوسرا مأخذ اس کا حامل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنا مواد اس بنیادی دستاویز کی تشریح و تعبیر میں لکھا گیا ہے دنیا کی کوئی دوسری کتاب اس کی ہم سری نہیں کر سکتی۔ تفسیری ادب پر طائرانہ نظر ہی ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے ایک ایک لفظ کا ہر ہر زاویہ سے جائزہ

لیا جا چکا ہے، لیکن کتاب الٰہی کی جامعیت اور خود قانون تغیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس پر کی جانے والی کسی بھی بشری کاوش کو حرف آخر سمجھ لیا جائے۔

اس یونٹ میں علوم قرآن کے تمام یا معتدبہ گوشوں کا احاطہ کرنا پیش نظر ہے نہ ممکن، اس لئے یہاں صرف انہی مضامین کا تذکرہ کیا گیا ہے جو قرآن کو بطور ماخذ قانون سمجھنے کے لئے نسبتاً" زیادہ ضروری ہیں۔ یونٹ کی ابتداء میں قرآن کا ایک اجمالی تعارف پیش نظر ہے۔ اگلے حصہ میں وہ اصول بیان کئے گئے ہیں جو قانونی زاویہ نگاہ سے تفہیم قرآن کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جن کے بغیر فقہی انداز میں قرآن سمجھنے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا وہ لوگ جو صرف ترجمہ کی بنیاد پر قرآن مجید کے احکام و قوانین سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ مباحث خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ایسے حضرات کو چاہیے کہ وہ اس حصے کو لازما" پیش نظر رکھیں۔ لیکن ان تمام باتوں سے بڑھ کر تیسرے حصے میں مذکور ان شرائط کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے جو قرآن فہمی کے لئے ہیں اور قرآن سے قلبی تعلق قائم کرتی ہیں۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ کا ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ امت کا عام فرد ہی نہیں بلکہ اس کے اہل فکرو دانش کا تعلق بھی قرآن سے بہت حد تک کم ہو گیا ہے۔ کامیابی کی یہ شاہ کلید محض تلاوت کے کام آتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت کا ایک ایک فرد، بالخصوص قانون دان حضرات، قرآن کے ساتھ تعلق کو مضبوط کریں تاکہ دنیوی اور اخروی فلاح کی ضمانت مہیا ہو سکے۔

اہل علم سے توقع ہے کہ ہماری اس کوشش پر خیر خواہی اور اصلاح کے جذبہ سے تنقیدی نظر ڈال کر اپنے ملاحظات، تاثرات اور آراء سے ہمیں بھی آگاہ کریں گے تاکہ ان ملاحظات کی روشنی میں ہم دوسرے سلسلہ ہائے خط و کتابت کے معیار کو بہتر بنا سکیں۔

۶ جمادی الاخر ۱۴۱۷ھ
۲۰ اکتوبر ۱۹۹۶ء

ڈاکٹر محمود احمد غازی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد

اسلامی قانون کے ماخذ

تعارف

یہ جملہ ہم اکثر و بیشتر سنتے اور پڑھتے ہیں کہ "اسلام مکمل ضابطہ حیات ہے"۔ کچھ دوسری اصطلاحات سے بھی ہم واقف ہیں۔ جیسے "اسلامی نظام" "اسلامی قانون" "شریعت اسلامی" اور "نظام مصطفیٰ" وغیرہ' یہ اصطلاحات اب اتنی عام ہو چکی ہیں کہ ہم ان کے مطالب و معانی اور ان میں پوشیدہ مفہوم پر غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ یہ تمام اصطلاحات ایک دوسرے کی مترادف ہیں لہٰذا موضوع کی مناسبت سے آئندہ سطور میں ہم "اسلامی قانون" کی اصطلاح استعمال کریں گے۔

اس باب میں ہم اسلامی قانون اور اس کے ماخذ اول کا تعارف کرانے کے بعد اگلے چند ابواب میں اسلامی قانون کے دوسرے ماخذ کے بارے میں وضاحت کریں گے۔

ماخذ عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ اسم مکان کے وزن پر ہے' اس سے ملتے جلتے کئی الفاظ اردو میں مستعمل ہیں جیسے مصدر وہ جگہ ہے جہاں سے کوئی شے صادر ہو۔ مخرج وہ مقام ہے جہاں سے کوئی چیز خارج ہو۔ اسی طرح ماخذ وہ جگہ ہے جہاں سے کچھ اخذ یا حاصل کیا جائے۔ ماخذ کی جمع مآخذ ہے۔

شرعی اصطلاح میں ماخذ وہ مقام ہے جہاں سے شرعی احکام اخذ کئے جاتے ہیں۔ شرعی احکام کہاں سے اخذ ہوتے ہیں؟' یہ جاننے کے لئے تھوڑی سی تفصیل ضروری ہے۔ (مآخذ کو تشریعی مصادر بھی کہتے ہیں۔ بعض فقہاء انہیں اصول احکام اور کچھ فقہاء انہیں ادلتہ الاحکام کہتے ہیں)۔

شرعی احکام کے ماخذ کے بارے میں فقہاء کے نقطہ ہائے نظر اپنے اپنے دور کے اعتبار سے مختلف ہیں' انھوں نے جس زاویہ نظر سے ماخذ کا مطالعہ کیا' اسی لحاظ سے انہیں مختلف درجوں میں تقسیم کیا۔ تاہم اس بات پر جملہ فقہاء اور مجتہدین کا اتفاق ہے کہ قرآن و سنت مصادر تشریعی ہیں' اس امر میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے' اسی طرح مسلمانوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ اجماع اور قیاس بھی مصادر تشریع ہیں۔ لیکن خوارج اور معتزلہ میں سے نظام (ا) نے اجماع کو مصدر تشریع تسلیم نہیں کیا' اسی طرح شیعہ (۲) اور اہل ظاہر (۳) قیاس کی مشروعیت کے قائل نہیں۔

اس طرح ان مصادر یا مآخذ کی تعداد چار ہے۔

کچھ ماخذ ایسے ہیں جن کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ ماخذ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ عرف (مقامی رسم و رواج)

۲۔ استصحاب

۳۔ استحسان

۴۔ مصالح مرسلہ

۵۔ شرع من قبلنا (شریعت محمدی سے قبل کی شریعتیں)

۶۔ مذہب صحابی (کسی ایک صحابی کا مسلک)

۷۔ استدلال

۸۔ ملکی قانون

ان سب کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اس کی وضاحت ہماری اسکیم سے خارج ہے۔
مآخذ کو فقہاء نے ایک دوسرے انداز میں بھی تقسیم کیا ہے جو اس طرح ہے:

نقلی مآخذ

نقل سے مراد کسی شے کو اس کی اصل حالت میں بعینہٖ بیان کرنا ہے۔ قرآن و سنت چونکہ بغیر کسی تبدیلی کے بیان کئے جاتے ہیں اس لئے ان کو منقول کہتے ہیں، منقول سے مراد وہ شے ہے جسے نقل کیا جائے، نقلی ماخذ سے مراد قرآن اور سنت ہے۔ قرآن و سنت سے مراد قرآن و سنت کے احکام ہیں۔ ان مآخذ پر جملہ ائمہ و مجتہدین کا اتفاق ہے۔ اجماع اور مذہب صحابی کو بھی بعض شرائط کے ساتھ نقلی ماخذ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

عقلی ماخذ

عقلی ماخذ کی بنیاد میں غور و فکر اور تدبر ہوتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد اجتہاد و قیاس ہیں جن سے حاصل ہونے والے احکام براہ راست نہیں ہوتے بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں عقل کے استعمال سے احکام حاصل ہوتے ہیں۔

ان تمام ماخذ کا دقیق مطالعہ کیا جائے تو یہ بات آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے کہ ان میں بعض ماخذ دوسروں میں ضم ہو سکتے ہیں جیسے بعثت محمدی سے قبل کی شریعتوں کو بعض علماء ایک علیحدہ اور مستقل ماخذ قرار دیتے ہیں۔ لیکن

غور کیا جائے تو یہ بھی قرآن کریم ہی میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ شریعتیں اس وقت تک الگ ماخذ قرار نہیں دی جا سکتیں جب تک خود قرآن پاک سے ثابت نہ ہوں یا قرآن کریم ان کے کسی حکم کے بارے میں سکوت اختیار نہ کرتا ہو، اور ان کی تعلیمات قرآنی تعلیمات سے متصادم بھی نہ ہوں۔ اسی طرح استحسان اور استصلاح، قیاس کی شکلیں ہیں۔ تعامل اور رسم و رواج اجماع میں شامل ہیں۔

لہٰذا ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ قرآن، سنت، اجماع اور اجتہاد (قیاس) ہیں۔ یہ وہ مأخذ ہیں جن کے اصول و کلیات کو سامنے رکھتے ہوئے، ہر زمانے اور ہر علاقے کے لئے قانون سازی کی جاسکتی ہے۔

عام طور پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب ہمارے پاس قرآن اور سنت موجود ہیں تو ان کے بعد آئین اور قانون سازی کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔ اس اعتراض میں وزن اس لئے نہیں ہے کہ قرآن و سنت میں اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں جن کو سامنے رکھ کر بدلتے ہوئے حالات کے مطابق قوانین اور تفصیلی احکام و ہدایات مرتب کئے جاسکتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کرہ ارض پر حلال اور طیب اشیاء کثرت کے ساتھ پھیلا دی ہیں جن میں سے انسان اپنے لئے بعض اشیاء کا انتخاب کر کے انواع و اقسام کے کھانے تیار کرتے ہیں جو ہر فرد کے ذوق اور ضرورت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ تہذیبی ارتقاء، موسمی تغیر، علاقائی بُعد اور وقت کے پیمانوں کے بدلنے سے ان کھانوں کی ہیئت، رنگ، ذائقہ اور نوعیت تو بدل سکتی ہے لیکن ان کے بنیادی اجزاء وہی رہتے ہیں جو ازل سے انسان اپنی غذا کے لئے استعمال کرتا چلا آیا ہے۔

اسی طرح قرآن و سنت میں مذکور اصول و کلیات کی مدد سے اشیاء کی نوعیت یا ساخت کے بدل جانے سے یا کسی نئی چیز کے سامنے آنے پر یا کسی شے کے معدوم ہونے سے نئے مسائل کا سامنا کرنے پر بدلتے حالات میں انسان کئی طرح کی قانون سازی کر سکتا ہے۔

ان ابتدائی تمہیدی باتوں کے بعد ماخذ اول کا تعارف اس طرح ہے۔

مأخذ اول ۔ قرآن حکیم

قرآن حکیم اسلامی شریعت کا پہلا مأخذ ہے۔ اسلامی شریعت کے مأخذ کی تقسیم فنی لحاظ سے چاہے بارہ قرار دی جائے، چاہے ان بارہ مأخذ کو ایک دوسرے میں ضم کر کے چار تک لایا جائے اور چاہے چار کو بھی کم کر کے دو تک محدود کر دیا جائے، یہ حقیقت ہے کہ تمام ماخذ کی اصل اور بنیاد ایک ہی سرچشمہ ہے اور وہ سرچشمہ قرآن ہے۔

قرآن کے لفظی معنی پڑھنے کے ہیں اور اگر یہ لفظ مفعول کے معنوں میں آئے تو اس سے مراد وہ صحیفہ ہے جو پڑھا جاتا ہو۔

اصطلاحاً" قرآن اس کتاب کو کہتے ہیں جو اللہ کا کلام ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تقریباً تئیس برسوں میں بذریعہ وحی نازل ہوا۔ قرآن کی ایک جامع اصطلاحی تعریف اصول بزدوی میں یوں ہے:

"قرآن مجید وہ کتاب ہے جو اللہ کی طرف سے اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جو مصحفوں میں لکھی ہوئی ہے اور جو ہم تک بغیر شک و شبہ کے تواتر کے ساتھ نقل در نقل ہو کر پہنچی ہے۔"

(جامع الاصول - ڈاکٹر احمد حسن)

امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر میں اس بات پر روز اول سے اتفاق ہے کہ قرآن مجید قانون سازی کے لئے ماخذ ہے یہی وہ آئین ہے یہی وہ دستور حیات ہے جو انسانوں کے تمام مسائل کو حل کرتا ہے۔

قرآن کا مختصر تعارف

قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل ہوا اس میں تقریباً ساڑھے چھ ہزار سے زائد جملے (آیات) ہیں جو ایک سو چودہ سورتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

بظاہر قرآن کریم دوسری عام کتابوں کی طرح ایک کتاب ہی ہے لیکن قرآن کا علم رکھنے والے اصحاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ چند خاص باتیں اس کتاب کو دوسری تمام کتابوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ اس کے کچھ پہلو ایسے ہیں جنہیں معجزہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ یہ معجزانہ پہلو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتے اس کتاب پر صرف انہی معجزانہ پہلوؤں کی وجہ سے بہت سے لوگ ایمان لائے۔

اس کتاب کے بارے میں اہم حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب جس شخص پر اتری وہ شخص بالکل مکمل اور ہر لحاظ سے ناخواندہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی استاد سے کسب علم نہیں کیا، کسی مدرسے میں داخل نہیں ہوئے، قلم کا استعمال تو دور کی بات ہے قرطاس بھی آپ کی نگاہوں میں آنے کی سعادت سے محروم رہا اس کے باوجود آپ نے جو کلام لوگوں کو سنایا ایسا کلام اس سے قبل کسی نے نہ سنایا تھا۔

عرب من جملہ اپنی تمام گمراہیوں کے، اپنی زبان دانی پر نازاں تھے۔ انہوں نے ادب کے ایسے ایسے شہ پارے

تخلیق کئے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ عربی زبان کے صرف و نحو کے قواعد ہی پر غور کر لیجئے' انتہائی سائنسی انداز ملتا ہے۔ ایک مختصر سے لفظ سے درجنوں الفاظ کا اشتقاق اتنے منضبط انداز میں ہوتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل عرب اپنے سوا دوسروں کو عجمی یعنی گونگے قرار دیتے تھے لیکن جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو یوں محسوس ہوا کہ ایک تاریک رات میں عربوں نے اپنے ادبی ۔ پاروں کے ذریعے بہت عمدہ چراغاں کیا ہوا تھا حتیٰ کہ قرآن کا سورج طلوع ہو گیا۔ اب نہ چراغاں کی ضرورت باقی رہی اور نہ اس سے لطف اندوز ہونا ممکن رہا۔ قرآن کے فنی اعجاز اور بلاغت اس قدر نئی تھی کہ اس نے عربی کے بڑے بڑے شعرا اور ادیبوں کو حیران کر دیا اور یہ حیرت اس وقت دو چند ہو جاتی جب انہیں علم ہوتا کہ یہ کلام ایک ناخواندہ شخص کی زبان سے سنا گیا ہے' حتیٰ کہ بعض موقع پر خود قرآن نے منکرین کو للکارا کہ قرآن کی طرح کی ایک سورت نہ سہی ایک آیت ہی سامنے لاؤ لیکن کسی سے بھی نہ ہو سکا۔

قرآن کا دوسرا بڑا معجزہ جو اسے باقی تمام کتابوں سے ممیز کرتا ہے' یہ ہے کہ اس نے عربوں کو جزیرۃ العرب میں بسنے والی گزشتہ قوموں کے بارے میں وہ وہ تفصیلات مہیا کیں جو لوگ بھول چکے تھے۔ ان قوموں کا تذکرہ زبان زد عام سے ختم ہو چکا تھا' ان کے آثار معدوم ہو چکے تھے لیکن اچانک انھوں نے انتہائی قیمتی تحقیق ایک ایسے شخص کے ذریعے سے پائی جو نہ تو ان علاقوں میں کبھی گیا تھا جہاں یہ قومیں بستی رہی تھیں اور نہ اس نے کبھی کسی کتاب کو ہاتھ لگایا تھا' حتیٰ کہ حیران کن بات تو یہ تھی کہ اس وقت کے عالم عرب میں کوئی بھی ان قوموں کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دوسرے سے معلومات حاصل کرنا بالکل بعید از قیاس تھا۔ ماضی کے کئی واقعات کی ٹھیک ٹھیک خبر دینے کے ساتھ ساتھ قرآن پاک نے بعض ایسی خبریں بھی دیں جن کا وقوع مستقبل میں ہونا تھا۔ یہ خبریں درست ثابت ہوئیں۔ مثال کے طور پر اس وقت کی دو عظیم سلطنتیں' ایران اور روم متحارب ہوئیں تو قرآن پاک نے روم کی شکست کی خبر دیتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ چند سالوں کے بعد روم ایران پر غالب ہو جائے گا۔

دو ملکوں کی جنگی قوت کا موازنہ کرتے ہوئے سیاسی یا فوجی مبصر وقتی نوعیت کے تبصرے تو کرتے رہتے ہیں لیکن کسی ملک کی حتمی شکست یا فتح کا قبل از وقت اعلان اور وہ بھی آئندہ کئی سالوں بعد' کہ جب حربی تبدیلیاں بھی واقع ہو چکی ہوں' ممکن نہیں ہوتا۔ ایسا کرنا اسی کے لئے ممکن ہوتا ہے جس نے اپنی مرضی کی بساط تمام کائنات میں بچھا

رکھی ہو- وہی کسی کو سنانے کے لئے درست خبر دے سکتا ہے-

جدید سائنس کائنات کی تخلیق کے ضمن میں چند مفروضوں کا اظہار کر چکی ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ کائنات کا تمام مادہ ابتدا میں ... (Concentrated) حالت میں تھا جس کا حجم بہت ہی مختصر تھا- پھر ایک دھماکے سے یہ مادہ منتشر ہو کر پھیل گیا- قرآن نے اس سائنسی مفروضے کو حقیقت کی صورت میں یوں بیان کیا ہے-

اولم یرالذین کفروا ان السمٰوات والارض کانتا رتقا ففتقنٰھما (الانبیاء ۲۱:۳۰)

کیا ان کافروں کو یہ بات معلوم نہیں کہ آسمان اور زمین دونوں بند تھے پھر ہم نے ان دونوں کو کھول دیا-

یہ قرآن کے چند معجزانہ پہلو ہیں جو کسی بھی صاحب بصیرت شخص کے ایمان لانے کے لئے کافی ہیں-

قرآن کی ترتیب اور نظم(۴)

قرآن کریم کی ابتدا لفظ "اقرا" سے ہوئی- یہ لفظ ہمیں قرآن کے آخری پارے میں ملتا ہے- اسی طرح قرآن کی آخری نازل ہونے والی آیت پانچویں سورت میں ہے- پھر ہمیں یہ بھی علم ہے کہ قرآن کی کون سی آیت کس موقع پر نازل ہوئی- یہی وجہ ہے کہ ایک غیر عرب اور عربی سے نا بلد قاری جب قرآن کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ایک سورت میں ایمانیات کا ذکر ہے، پھر اسی سے متصل کسی نبی کا قصہ آ جاتا ہے، پھر کوئی احکامی آیت سامنے آتی ہے- چنانچہ پڑھنے والے کے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ قرآن اپنی اس ترتیب کے ساتھ کیوں مرتب نہیں ہے جس کے مطابق نازل ہوا تھا- یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات ایک عام پڑھنے والا شخص قرآن کی آیات اور سورتوں میں پائی جانے والی ترتیب کو کماحقہ نہ سمجھنے کے باعث الجھن کا شکار ہو سکتا ہے-

حالانکہ قرآن کے اولین مخاطبین قرآن کی یہ ترتیب شروع ہی سے سمجھ چکے تھے- ان کے ذہنوں میں اس بارے میں کوئی سوال نہیں آیا- اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن کی زبان اس کے اشارات، کنایات تلمیحات اور ہر رمز اس وقت کے عربوں پر آشکارا تھی- پھر یہ کہ کسی اشکال کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے جو اشکال دور کر دیتے تھے-

نظم و ترتیب کے بارے میں اس طرح کا سوال سرسری نظر سے پڑھنے والے شخص ہی کے ذہن میں آ سکتا ہے

جو قرآن کا ظاہری نظم دیکھتا ہے۔ البتہ غور و فکر کے ساتھ قرآن کی ترتیب کا مطالعہ کرنے والے اصحاب جانتے ہیں کہ قرآن کا ایک مخفی نظم بھی ہے۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے قرآن کے دونوں نظم کا ذکر اپنی تفسیر تدبر قرآن میں کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

قرآن کے ظاہری نظم میں مکی اور مدنی سورتوں کے سات گروپ ہیں۔ ان میں سے ہر گروپ ایک یا ایک سے زائد مکی سورتوں سے شروع ہوتا ہے۔ جیسے پہلا گروپ سورۃ فاتحہ (مکی) سے شروع ہو کر سورۃ مائدہ پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا گروپ سورۃ انعام (مکی) سے شروع ہو کر سورۃ توبہ پر ختم ہوتا ہے۔ تیسرا گروپ سورۃ یونس (مکی) سے شروع ہوتا ہے اور اس کا اختتام سورۃ نور پر ہوتا ہے۔ چوتھے گروپ کا آغاز سورۃ فرقان (مکی) سے ہوتا ہے، یہ گروپ سورۃ احزاب پر ختم ہوتا ہے۔ سورۃ سبا (مکی) پانچویں گروپ کی پہلی سورت ہے اور حجرات آخری۔ چھٹے گروپ کی ابتداء سورۃ ق (مکی) سے ہو کر سورۃ تحریم پر اس کی انتہا ہوتی ہے۔ ساتواں گروپ سورۃ ملک (مکی) سے شروع ہوتا ہے اور سورۃ الناس پر ختم ہوتا ہے۔

قرآن کی یہ ترتیب وہی ہے جس ترتیب سے قرآن لوح محفوظ پر مکتوب ہے۔ اسی ترتیب سے صحابہ کرام قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے اور یہی وہ ترتیب ہے جس کے اعتبار سے حضرت عثمان نے قرآن کی سرکاری نقلیں تیار کروا کر دوسرے صوبوں میں بھیجیں۔

یہ قرآن کی ظاہری ترتیب ہے۔

غور و فکر اور تدبر کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کرنے پر قاری پر قرآن کا ایک مخفی حسن بھی آشکارا ہوتا ہے۔ یہ مخفی حسن بہت ہی لطیف اور نازک ہے جس کے نمایاں نکات اس طرح ہیں۔

ہر سورت کا ایک موضوع سخن ہوتا ہے۔ اس بات کی مزید تشریح کی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ہر گروپ کا بھی ایک خاص انداز تکلم اور خاص موضوع ہے۔ کسی گروپ میں نبوت کا بیان ہے تو کہیں قوموں کی تاریخ بیان ہوتی ہے۔ گروپ کی کسی سورۃ کے موضوع اور اسی گروپ کے مجموعی موضوع میں گہری مناسبت ملتی ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہر گروپ میں اگرچہ مکی اور مدنی دونوں طرح کی سورتیں ملتی ہیں جن کے موضوعات مختلف ہوا کرتے ہیں لیکن دونوں قسم کی سورتوں کے مضامین میں گہری مناسبت ملتی ہے۔

جس طرح کائنات میں ہر شے کا جوڑا ہے اسی طرح قرآن کی سورتوں میں بھی یہی تنظیم پائی جاتی ہے، کسی

سورت میں کوئی بات نامکمل رہ گئی ہو تو وہ اس سورت کے جوڑے میں پوری ہو جاتی ہے۔ اگر ایک سورت میں کوئی خلا رہ گیا ہو تو اگلی سورت میں یہ خلا پورا کر دیا جاتا ہے۔ قرآنی سورتوں کے جوڑوں کی چند مثالیں سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران، سورۃ قیامہ اور دہر، سورۃ الصف اور سورۃ جمعہ ہیں۔ پورے قرآن میں سورۃ فاتحہ کی حیثیت دیباچے کی ہے، یہ نہ صرف قرآن کا بلکہ اپنے گروپ کا بھی دیباچہ ہے۔ اس بحث کو ذہن میں رکھتے ہوئے قرآن پاک کے مطالعہ سے یہ بات بطور خاص سامنے آتی ہے کہ تمام گروپوں اور ترتیب میں سے وہ گروپ اولین حیثیت کا حامل ہے جس میں اسلامی قانون، اور شریعت الٰہی سے متعلق مسائل زیر بحث آتے ہیں اور آخری گروپ میں احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے اللہ تعالٰی کی طرف سے مختلف قسم کے تادیبی اور ڈرانے والے احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ ترتیب وہی ہے جو کسی بھی ملک کے مرتب شدہ قوانین میں پائی جاتی ہے کہ کسی قانون میں ابتدا مسئلہ کی غرض و غایت بیان کی جاتی ہے، پھر مکلفین (Subjects) سے اس قانون پر عمل کرنے کی امید کی جاتی ہے اور آخر میں خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے مناسب سزا تجویز کی جاتی ہے۔

یہ قرآن کی مخفی ترتیب ہے۔

قرآن کے احکام

قرآن کی آیات میں کئی طرح کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ ان تمام آیات کو تین بڑی اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کی آیات میں وہ احکام ہیں جو انسان کی قلبی کیفیت سے متعلق ہیں۔ یہ احکام اگرچہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک خاموش معاہدے کی صورت میں ہوتے ہیں لیکن انہی قلبی کیفیات کا پرتَو انسان کی ہر ہر حرکت اور ہر ہر عمل میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس قسم میں اللہ پر ایمان، اس کی وحدانیت، اس کے فرشتوں، الہامی کتب اس کے تمام رسولوں، روز قیامت، خیر و شر اور مرنے کے بعد جسموں کا اپنی طبعی حالت میں دوبارہ زندہ ہونے پر ایمان لانا شامل ہے۔

یہ احکام عقائد سے متعلق ہیں۔

دوسری قسم کے احکام انسانی ظاہری کردار اور اس کی داخلی شخصیت کو سنوارنے کے لئے ہیں اس میں انسان کے ظاہری اعمال کو بہترین انداز میں ترتیب دینے سے لے کر عبادات میں کمال درجے کی تکمیل بھی شامل ہے۔

یہ احکام اخلاقیات سے متعلق ہیں۔

احکام کی یہ دونوں قسمیں فقہ اور قانون سازی کے مفہوم سے خارج ہیں۔
تیسری اور آخری قسم کے احکام انسان کے اعمال سے بحث کرتے ہیں۔ یہی قانون سازی اور فقہ کا موضوع ہیں۔ انہی احکام پر فقہ اور اصول فقہ کی ساری عمارت کھڑی ہے۔ انسانی اعمال سے متعلق ایسے احکام کی بھی دو قسمیں ہیں جو یہ ہیں:

اولاً عبادات جیسے نماز، روزہ، حج اور دوسری نفلی عبادات۔ یہ فقہ کا موضوع ہیں۔

ثانیاً معاملات جیسے ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ تعلق، فرد اور معاشرے کا تعلق، فرد اور ریاست کا تعلق وغیرہ۔ معاملات بھی فقہ کا موضوع ہیں۔

معاملات کو سات اہم اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلی قسم میں خاندان کے مختلف افراد کے تعلق کے بارے میں آیات ملتی ہیں جیسے عورت اور مرد کا تعلق بذریعہ نکاح، اس تعلق کا انقطاع بذریعہ طلاق، عدت کے مسائل، اولاد کے بارے میں احکام، نسب اور ولدیت کے بارے میں احکام وغیرہ۔ ان احکام میں متعلقہ افراد کے حقوق و فرائض ملتے ہیں۔ یہ احکام تقریباً ستر آیات میں پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسری قسم کی آیات میں دیوانی قوانین (Civil Laws) ملتے ہیں جیسے خرید و فروخت، کرایہ داری (Tenancy) معاہدات (Contracts) اور رہن (Mortgage) وغیرہ، اس طرح کے احکام کے بارے میں بھی قرآن میں تقریباً ستر آیات ملتی ہیں۔

تیسری قسم کے احکام اسلام کے نظام عدل (Judiciary) کے بارے میں ہیں۔ ان میں شہادت (Evidence) اور قسم (Oath) کے بارے میں راہنما اصول ملتے ہیں۔ یہ اصول تقریباً ۱۳ آیات میں بکھرے ہیں۔

چوتھی قسم کے احکام فوجداری قانون (Criminal Law) کے بارے میں ہیں۔ یہ احکام حدود اور تعزیر دونوں کے بارے میں ہیں جو تقریباً تیس آیات میں ہیں۔

پانچویں قسم کے احکام نظام حکومت کے بارے میں ہیں۔ فرد اور ریاست کے تعلق، دونوں کے حقوق اور فرائض اور دوسرے دستوری قوانین تقریباً دس آیات میں ملتے ہیں۔

تقریباً دس آیات کا تعلق چھٹی قسم کے احکام سے ہے۔ یہ احکام اسلامی ریاست کے ذرائع آمدنی، خرچ اور

دوسرے مالیاتی اصولوں سے متعلق ہیں۔

ساتویں اور آخری قسم کے احکام اسلامی ریاست کے دوسری غیر اسلامی ریاستوں سے تعلقات کے بارے میں ہیں۔ تقریباً پچیس آیات میں صلح و جنگ کے اصول، دوسری ریاستوں سے معاہدہ کرنے کے راہنما اصول اور اس طرح کے دوسرے ریاستی تعلقات کے بارے میں احکام پائے جاتے ہیں۔

احکام کے علاوہ قرآن کریم میں توحید، رسالت گزشتہ امتوں کے واقعات، نبیوں کے حالات، قوموں کے عروج و زوال کے بارے میں اصول، جنت دوزخ کا بیان، قیامت کا منظر اور دوسری بہت سی باتیں مذکور ہیں۔

یوں تو قرآن کی ہر آیت سے کوئی نہ کوئی فقہی حکم نکالا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے گہری فقیہانہ بصیرت درکار ہے۔ البتہ وہ آیات جن میں صرف احکام ہی بیاں ہوئے ہیں انہیں آیات الاحکام کہتے ہیں۔ ان کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ ہے۔ یہ آیات سارے قرآن حکیم میں متفرق جگہوں پر موقع کی مناسبت سے پائی جاتی ہیں۔

قرآن کریم عربی زبان میں ہے

قرآن کریم اللہ تعالٰی کی جانب سے عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس بات کی شہادت خود قرآن میں موجود ہے۔ فرمایا:

اِنَّ جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا (زخرف، ۴۳:۳)

ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے۔

قرآن کریم کا جب بھی ذکر آتا ہے اس سے مراد قرآن کا عربی متن ہی ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تک اسلامی ریاست جزیرۃ العرب تک ہی رہی بعد میں جب فتوحات ہونے پر دوسری زبانیں بولنے والے قبائل اور علاقوں تک اسلامی ریاست کی حدود وسیع ہوئیں تو علماء کو اشاعت اسلام کے لئے ان قبائل کی زبانوں میں قرآن حکیم کے تراجم کا خیال آیا۔ یہاں سے قرآن کریم کے ترجموں کا آغاز ہوا۔

موجودہ دور میں دنیا کی تقریباً ہر اہم زبان میں قرآن کا ترجمہ ہو چکا ہے ان تراجم کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک جا پہنچی ہے۔ لیکن تراجم کی اس کثرت اور تنوع (Variety) کے باوجود تمام علمائے امت اس بات پر متفق ہیں کہ وہ کتاب، جو اللہ کی نازل کردہ ہے، عربی زبان ہی میں ہے اور دنیا کا کوئی مستند اور صحیح ترین مفہوم بیان کرنے والا ترجمہ بھی قرآن حکیم کا قائم مقام اور اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ ترجمے کے الفاظ مترجم کے ہوتے ہیں

جن کا دوسری زبانوں میں وہ مکمل مفہوم ہرگز ادا نہیں ہوسکتا جو خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے۔

نزول قرآن کی کیفیت

اصول و کلیات کی یہ الہامی کتاب مختلف طریقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔ یہ طریقے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اللہ کا فرشتہ جبرئیل علیہ السلام، اللہ کی جانب سے اس کتاب کا کوئی ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک لاتا اور پڑھ کر انہیں سناتا۔ یہاں تک کہ وہ حصہ آپؐ کو ذہن نشین ہو جاتا۔ ایسی صورت کا اظہار صرف رسول اللہ ہی پر ہوتا تھا۔

(۲) جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی صورت میں اللہ کی جانب سے پیغام رسانی کا فریضہ سرانجام دیتے تھے۔

(۳) معراج کے موقع پر آسمان پر بھی اللہ سے آپ کی براہ راست بات چیت ہوئی، جو نزول قرآن ہی کی ایک شکل تھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ڈال دیتے ایسی صورت کو القاء کہتے ہیں۔

(۵) سچے خواب کی صورت میں وحی نازل ہوتی تھی۔

(۶) وحی کا نزول ایسی آواز میں ہوتا جیسے گھنٹی بج رہی ہو۔

اس طرح تیئیس برسوں میں جو پیغام ہم تک پہنچا اس کے بارے میں تمام انسانوں کا اتفاق ہے کہ وہ اپنی اصل حالت میں آج بھی محفوظ ہے۔

قرآن فہمی کے بنیادی اصول

احکامی آیات میں دیے گئے احکام اور ان کے متعلقات کو سمجھنے کے لئے بعض قرآنی علوم (Qu'ranic Sciences) کا گہرا علم ہونا ضروری ہے۔ جن کے بغیر آیات الاحکام کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ ان علوم کے مطالعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ احکام نازل کرتے وقت قرآن انسانوں کے بشری تقاضوں کا کس قدر خیال رکھتا ہے۔ چند ضروری علوم مندرجہ ذیل ہیں۔

تدریج

یہ مشاہدہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآنی احکام اچانک نازل ہونے کی بجائے بتدریج نازل ہوئے۔ پہلے کسی معاملے کے بارے میں خفیف سا اشارہ کیا گیا' پھر اس کے بارے میں ایک نرم سا حکم نازل کیا گیا تاکہ انسان معاملہ کی اہمیت کو اپنے ذہن میں اجاگر کرلیں حتیٰ کہ اس معاملہ کے بارے میں واضح حکم نازل کرکے مسلمانوں کو روشن راستہ دکھادیا۔ اس طریق کار کو فقہی تدریج کہتے ہیں۔ تدریج کی تائید قرآن پاک کے ان الفاظ میں ہوتی ہے:

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَولاَ نُزِّلَ عَلَيهِ القُرْاٰنُ جُملَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرتِيلاً ۔ وَلاَ يَاتُونَكَ بِمَثَلٍ اِلاَّ جِئنٰكَ بِالحَقِّ وَاَحسَنَ تَفسِيرًا (الفرقان ' ۳۲:۲۵ ' ۳۳)

اور منکرین کہتے ہیں "اس شخص پر سارا قرآن ایک ہی وقت میں کیوں نہ اتارا گیا؟" ہاں! ایسا اس لئے کیا گیا کہ اس کو اچھی طرح ہم تمہارے ذہن نشین کرتے رہیں اور (اسی غرض کے لئے) ہم نے اس کو ایک خاص ترتیب سے الگ الگ اجزا کی شکل دی ہے اور (اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ) جب کبھی وہ تمہارے سامنے کوئی نرالی بات (یا عجیب سوال) لے کر آئے' اس کا ٹھیک جواب بروقت ہم نے تمہیں دے دیا اور بہترین طریقے سے بات کھول دی۔

اس آیت میں تدریج کے جس اصول کو بیان کیا گیا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے ذرا وضاحت سے یوں بیان فرمایا ہے۔ "سب سے پہلے وہ سورۃ نازل ہوئی جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوگئے تو حلال اور حرام کی آیات نازل ہوئیں۔ اگر یہ آیات پہلے نازل ہو جاتیں کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم شراب نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا' نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم زنا نہیں چھوڑیں گے۔"

غور کیا جائے تو تدریج کا اصول انسانی مزاج کے عین مطابق ہے۔ کسی مبتدی کو کوئی زبان سکھائی جائے تو سب سے پہلے اسے حروف تہجی سکھائے جاتے ہیں' ان کی پہچان کے بعد ان کو ملاکر الفاظ کی ساخت بتائی جاتی ہے جب وہ

الفاظ کی پہچان کرلیتا ہے، تب اسے جملہ بندی کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔حتیٰ کہ وہ ادب و انشاء کے دقیق مسائل سیکھ لیتا ہے۔یہی اصول اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے احکام کے نازل کرنے میں اختیار فرمایا ہے۔

نسخ

تدریج کے ذکر میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض امور کے بارے میں ایک سے زائد احکام نازل ہوتے رہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بعد میں آنے والے حکم نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ اسی طرح منسوخ کرنے والے حکم کو آئندہ آنے والے کسی نئے حکم نے منسوخ کر دیا۔ یہ بات سمجھنے کے لئے ایک مثال دی جاتی ہے۔ شراب کی حرمت کے بارے میں پہلے نازل ہونے والا حکم یوں ہے:

يَسئلُونَكَ عَنِ الخمرِ وَالمَيسرِ قُل فِيهِمَآ اِثمٌ كَبِيرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاس
واثمُهُمَا اكبرُ من نفعِهِمَا
(البقرہ ۲: ۲۱۹)

پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے۔ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ نفع بھی ہے مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے۔

اس حکم میں شراب کا امتناع مذکور نہیں ہے بلکہ انداز بتا رہا ہے کہ کسی سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشورہ دیا جا رہا ہو۔ جیسے کوئی سوال کرے کہ آگ سے کھیلنے کا نتیجہ کیا ہے تو جواب دیا جائے کہ جل جانے کا اندیشہ ہے اب یہ سوال کرنے والے پر موقوف ہے کہ اس جواب کے بعد وہ آگ سے کھیلے یا کھیلنے سے باز رہے۔ امتناع شراب کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔

کچھ عرصے بعد ایک دوسری آیت نازل ہوئی جس میں شراب کے بارے میں کراہیت کا اظہار ہے، فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنتُم سُكٰرٰى حَتّٰى تَعلَمُوا
مَاتَقُولُونَ
(النساء ۴: ۴۳)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔ نماز اس طرح پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

اس آیت کے نازل ہونے سے قبل مسلمانوں پر کوئی قدغن نہیں تھی کہ وہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھیں۔

پچھلی آیت میں شراب کے بارے میں سوال کرنے پر محض جواب دے دیا گیا تھا لیکن مذکورہ بالا آیت میں پچھلے حکم کو منسوخ کرکے نیا حکم جاری کردیا گیا۔ یہ امتناع شراب کا دوسرا مرحلہ تھا۔

کچھ عرصے بعد ایک اور حکم نازل ہوا جس نے شراب کے بارے میں نماز کی حد تک پابندی کے دائرے کو مزید وسیع کرتے ہوئے مسلمانوں کی تمام زندگی پر محیط کردیا، فرمایا:

يٰاَيُّهَاالَّذِينَ اٰمَنُوا اِنَّمَا الخَمرُ وَالمَيسِرُ وَالاَنصَابُ وَالاَزلَامُ رِجسٌ
مِن عَمَلِ الشَّيطٰنِ فَاجتَنِبُوهُ (المائدہ، ۵: ۹۰)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ بس گندے شیطانی کام ہیں ان سے اجتناب کرو۔

اس تیسرے حکم کے بعد اب صرف نماز پڑھنے کے دوران ہی میں نشے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ شراب پینے کو مطلقاً" حرام قرار دیا۔

اس مثال میں قرآنی احکام کے نزول میں تدریج کا اصول بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح اولاً شراب سے کراہیت کا اظہار کیا گیا، اگلے مرحلے میں ایک خاص وقت میں اس سے منع فرمایا گیا۔ حتیٰ کہ اسے بالکل ہی ممنوع قرار دیا۔

تدریج کے اس اصول کے بارے میں کئی اور مثالیں بھی قرآنی احکام کے مطالعہ سے پتہ چلتی ہیں۔

قرآن و سنت کی روشنی میں قانون سازی کرنے والے فرد یا ادارے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نسخ اور تدریج کے بارے میں مناسب علم رکھتا ہو کیونکہ اس علم کے بغیر مکمل نیک نیتی کے ساتھ بھی کی گئی قانون سازی خطا سے خالی نہ ہوگی۔

نسخ سے مراد کسی حکم کی مستقل یا عارضی طور پر تنسیخ یا کسی حکم میں کسی طرح کی ترمیم ہے۔

شریعت اسلامیہ میں نسخ تین طرح واقع ہوا ہے۔

(ا) ایک یہ کہ پہلا حکم مکمل طور پر مستقل طور پر منسوخ کردیا جائے، جیسے کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

مَا نَنسَخ مِن اٰيَۃٍ اَوننسِھَا نَاتِ بِخَیرٍ مِنھَا او مِثلِھَا (البقرہ '۲:۱۰٦)

ہم اپنے احکام میں سے جو کچھ منسوخ کر دیتے ہیں' یا فراموش ہو جانے دیتے ہیں تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسا حکم نازل کرتے ہیں۔

تنسیخ آیات کی اس صورت کا تعلق ما قبل کی شریعتوں سے ہے' جن کو شریعت اسلامیہ نے منسوخ کر دیا۔

(۲) تنسیخ کی دوسری صورت یہ ہے کہ بعض خاص حالات میں عارضی طور پر کوئی حکم منسوخ ہو جائے اور اس کی جگہ دوسرا حکم جاری ہو جائے۔ ان خاص حالات کی عدم موجودگی میں منسوخ حکم دوبارہ نافذ ہو جاتا ہے' یہ دراصل تنسیخ نہیں بلکہ تعطل ہے' کیونکہ دونوں حکم شریعت کے متن (قرآن کریم یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں موجود رہتے ہیں۔

تنسیخ کی اس صورت کی ایک مثال یہ ہے کہ نماز سے پہلے پانی سے وضو کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن پانی نہ ملے تو وضو کا حکم عارضی طور پر منسوخ یا معطل ہو جاتا ہے اور تیمم کا حکم جاری ہو جاتا ہے۔ جب بھی پانی دستیاب ہو' پانی سے وضو کا حکم واپس لوٹ آتا ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ قرآن کریم نے جنگی تیاریوں کے ضمن میں حکم دیا ہے کہ "جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو' تاکہ اس کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے دشمنوں کو خوف زدہ کرو' جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے" (الانفال' ۸:٦۰)

لیکن اب سائنس اور تکنیکی ترقی کی وجہ سے گھوڑوں کی جگہ دیگر مہلک اور موثر اسلحہ اور ساز و سامان نے لے لی ہے' لہٰذا گھوڑوں کی تیاری کا حکم منسوخ ہو گیا ہے' اور اس کی جگہ وامر بالعرف۔ (الاعراف' ۷:۱۹۹) کے مطابق عمل کرنے کا حکم جاری ہو گیا ہے۔ اب جہاں اور جب حالات ایسے ہوں کہ گھوڑوں کی ضرورت محسوس ہو' تو یہ حکم دوبارہ لوٹ آئے گا۔

۳۔ تنسیخ کی تیسری صورت یہ ہے کہ پہلے حکم میں کسی قسم کی ترمیم کر دی جائے' یعنی شریعت اسلامیہ کے کسی عام حکم (آیت قرآنی یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو خاص بنا دیا جائے' یا کسی مطلق کو مقید کر دیا جائے یا کسی حکم کو محدود کر دیا جائے' یا کسی حکم میں استثناء پیدا کیا جائے وغیرہ۔ شریعت اسلامیہ میں اس دوسرے قسم کے

وہ قرآن کریم کے متن میں موجود ہیں، اس لئے ان علماء کے موقف کی یہ تاویل مناسب ہوگی کہ ان کے نزدیک نسخ سے مراد کسی حکم کی مستقل طور پر تخصیص، تقیید، بیان یا استثناء ہے۔

نسخ کے اصول کی حکمت قرآن کریم کے احکام کو زیادہ سے زیادہ قابل عمل اور قابل تنفیذ بنانا اور امت کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولت و آسانی پیدا کرنا ہے۔

عدم حرج

قرآن کریم کے احکام کی ایک بنیاد عدم حرج پر ہے۔ حرج سے مراد ایسی صورت حال ہے جس سے نکلنا ممکن نہ ہو (الشاطبی: الموافقات: ج ۲: ص ۱۵۹)۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ احکام خداوندی میں حرج نہیں ہے۔

مایریدُ اللّٰہُ لیجعل علیکم من حرجٍ ولکن یُریدُ لیُطھرَ کُم ولیتِمّ نعمتہُ (المائدۃ، ۵:۶)

اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی رکھے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرے۔

وما جعل علیکم فی الدّین من حرجٍ (الحج، ۲۲:۷۸)

اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

قرآن کریم کی ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ شریعت کے احکام ایسے ہیں جن میں آسانی اور سہولت ملحوظ رکھی گئی ہے، اور ایسے احکام نہیں رکھے گئے جو انسان کی برداشت سے باہر ہوں۔

عدم حرج کی بنیاد پر احکام جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں غیر معمولی مشکلات نہیں۔ اسلام کی نظر میں اصل چیز زندگی میں عدل و توازن ہے، اس لئے عدم حرج کو ہر حالت اور ہر صورت میں اختیار نہیں کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں اعتدال کی راہ یہ ہے کہ جن صورتوں میں انسان کو عادتاً بعض مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان کو حرج نہ سمجھا جائے، مثلاً سردیوں میں نماز کے لئے ٹھنڈے پانی سے وضو، گرمیوں میں روزے کی بھوک پیاس۔ اس کے مقابلے میں سفر اور مرض میں بعض دفعہ احکام بجا لانے میں ایسے غیر معمولی حرج کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا عموماً انسان عادی نہیں ہوتا، ایسی صورت میں شریعت نے آسانیاں مہیا کی ہیں۔

قلت تکلیف

قوانین پر عمل کرتے ہوئے تکلیف اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے تو انسانوں کے لئے ان پر مستقلاً عمل کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس لئے قرآن نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے احکام کے سلسلے میں آسانی مہیا کی ہے، مشکلات میں تخفیف پیدا کی ہے اور کسی انسان کی برداشت سے زیادہ اسے مکلف نہیں کیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ، ۲:۱۸۵)

اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔

يُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيفًا (النساء، ۴:۲۸)

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارا بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ، ۲:۲۸۶)

اللہ کسی پر اس کی برداشت سے زیادہ بار نہیں ڈالتا

قلت تکلیف کے اصول کی بنیاد پر احکام کے نزول کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے لئے مالی لحاظ سے، جسمانی طور پر اور حالات کے دباؤ کے تحت کوئی حکم جس حد تک بجا لانا ممکن ہو اسی حد تک بجا لائے تو اللہ اسے پورے عمل کی جزا دے گا۔ اس چیز کو قرآن کریم نے ایک اور انداز سے یہاں بیان کیا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن، ۶۴:۱۶)

اللہ سے ڈرو جہاں تک ممکن ہو۔

یہاں ڈرنے سے مراد قوانین خداوندی پر عمل کرنا ہے۔

شان نزول

قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ زندگی میں مختلف مواقع پر کبھی تھوڑا اور کبھی زیادہ نازل ہوا جس موقع کی نسبت سے کوئی آیت نازل ہو اسے شان نزول کہتے ہیں۔ یہ اصول سمجھے بغیر آیت سے حکم نکالنا مشکل ہے۔ یہ درست ہے کہ جس خاص واقعہ کے بارے میں وہ آیت نازل ہوتی ہے اس واقعہ کی طرف توجہ دلانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کے نتیجے میں نازل ہونے والے حکم کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ جب یہ علم ہو کہ آیت کا شان نزول کیا ہے قرآن فہمی آسان ہو جاتی ہے۔ یہ بات

سمجھنے کے لئے آئندہ سطور میں تعدد ازدواج والی مثال کا مطالعہ ضروری ہے۔

نزول قرآن کے وقت عربوں کی معاشرتی حالت

قرآن کریم کے اولین مخاطب تو ایک خاص علاقے اور خاص طرز زندگی کے حامل لوگ تھے۔ لیکن قرآن کریم کی ہدایت تمام انسانوں کے لئے تمام زمانوں میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض قرآنی احکام ایسے ہیں جن کو سمجھنے کے لئے عربوں کی معاشرتی حالت ان کے رسم و رواج، بود وباش اور عادات و اطوار کو جاننا ضروری ہے۔ عربوں کی معاشرتی حالت کو سامنے رکھے بغیر قرآن فہمی کی کوشش کی جائے تو ممکن ہے کہ ہدایت کی بجائے گمراہی نصیب ہو۔ یہ بات سمجھنے کے لئے ایک مثال ضروری ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ معاشرے میں جاری رسم و رواج اس وقت تک قابل عمل ہوتے ہیں جب تک ان سے باز رکھنے کے لئے کوئی حکم نازل نہ ہو۔ اسی طرح جن امور کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی اور معاملات جوں کے توں چلتے رہے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تقریری کہتے ہیں۔ یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب معاشرے میں تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ لہٰذا اس معاشرے میں بعض مردوں نے کئی کئی شادیاں کر رکھی تھی۔ ایک وقت ایسا آیا کہ لڑائیوں میں شہدا کے بچوں کی کفالت اور ان کی پرورش کا مسئلہ پیدا ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فانکحوا ماطاب لکم من النسآء مثنی وثلث وربع (النساء، ۴:۳)

توجو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو۔

اس وقت کی تمدنی زندگی کو ذہن سے نکال کر آیت کا مطالعہ کیا جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے قبل عرب شاید ایک ہی شادی کیا کرتے تھے اور اس آیت کے نزول سے انہیں چار تک کی اجازت مل گئی۔ حالانکہ اصل صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے تو عرب دس دس شادیاں کیا کرتے تھے۔ یہ آیت تو در حقیقت تعدد ازدواج کی تحدید کے لئے نازل ہوئی اور اب یہ حکم نازل ہوگیا کہ ایک شخص بیک وقت زیادہ سے زیادہ چار شادیاں کر سکتا ہے۔

یہ آیت نازل نہ ہوتی تو آج مسلمان سنت تقریری پر عمل کرتے ہوئے بلا حدو حساب شادیاں کرنے کے مجاز

تھے۔ اس مثال سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے آج سے چودہ سو برس پہلے کے عرب معاشرے اور تمدن کو سمجھنا ضروری ہے۔

محکم اور متشابہات کا فرق

قرآن کریم کی آیات کی تقسیم کئی طرح سے ہوسکتی ہے۔ انہیں میں سے ایک تقسیم محکم اور متشابہ کی ہے۔ محکم وہ آیات ہیں جس میں دیا گیا حکم انسانوں کی روز مرہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ ان کے الفاظ انتہائی واضح اور مفہوم غیر مبہم ہوتا ہے۔ ان میں تاویل والہام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسی آیت کو سمجھنا ان پر غور و فکر کرنا اور اس میں سے مسائل کا حل نکالنا انسانوں کے لئے ممکن ہوتا ہے۔ متشابہ وہ آیت ہوتی ہے جس میں عقائد اور ایمانیات پر بحث ہوتی ہے اس قسم کی آیت میں بیان کردہ مسائل ایسے نہیں ہوتے۔ جو انسانی عقل کے احاطے میں آسکیں مثلاً انسان کا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا' زندہ ہونے کی کیفیت' اس کا وقت قیامت کے احوال' اللہ کے بارے میں بیان کردہ حواس مثلاً اللہ کا ہاتھ' اللہ کا سننا وغیرہ' یہ ساری باتیں گو ایسی ہیں جو انسان کی عملی زندگی سے براہ راست تعلق نہیں رکھتی لیکن ان باتوں پر ایمان لانا انسان کی عملی زندگی پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔

محکم اور متشابہ کا فرق سمجھنے کے لئے دو آیات پر غور فرمائیں۔

ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمنّ (البقرہ' ۲:۲۲۱)

تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ایک واضح حکم دیا گیا ہے اس میں کوئی ابہام نہیں ہے اس کا ایک ایک لفظ کسی تشریح کے بغیر انسانی فہم و ادراک کے عین مطابق ہے لہٰذا اس آیت کے حکم پر عمل کرنا آسان ہے۔ ایسی آیت کو محکم کہتے ہیں۔ اب ایک دوسری آیت پر غور فرمایئے۔

الرحمٰن علی العرش استوٰی (طٰہ' ۲۰:۵)

رحمٰن (اللہ) نے عرش پر قرار پکڑا

اس آیت کے مطالعے سے دو باتیں سامنے آئی ہیں۔

اولاً یہ کہ آیت میں دی گئی خبر کا تعلق انسانی زندگی کے کسی بھی عملی گوشے سے نہیں ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں ایک بات کہی اس پر فوراً ایمان لے آنا چاہیے۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت ایمانیات کے بارے میں

ہے، عملی زندگی سے متعلق نہیں ہے۔

ثانیاً یہ کہ آیت میں بیان کی گئی حقیقت پر کتنا ہی غور کیوں نہ کر لیا جائے یہی بات سامنے آتی ہے کہ عرش کی ساخت اس کی تعریف اور رحمن کا اس پر قرار پکڑنا انسانی فہم کی حدود سے باہر ہے۔ اس طرح کی آیات سوائے اس کے اور کوئی تقاضا نہیں کرتیں کہ ان پر فوراً ایمان لایا جائے۔ ایسی آیات کو متشابہات کہتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے محکم اور متشابہات کا فرق جاننا بہت ضروری ہے۔

خاص و عام کا فرق

قرآن کے الفاظ کی ایک تقسیم خاص و عام کے لحاظ سے بھی ہے۔

خاص

عربی زبان میں لفظ خاص تنہا، اکیلے اور فرد واحد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر کوئی عرب یہ جملہ استعمال کرے "اختص فلاں بکذا" تو اس کے معنی یہ ہیں کہ فلاں آدمی کسی چیز میں منفرد ہے۔ اصول کی کتابوں میں خاص کی ایک تعریف یوں ہے۔

هو لفظ وضع للدلالة هي واحد منفرد سواء كان واحد بالشخص محمد ام بالنوع كرجل وانسان ام بالجنس كحيوان

(اصول التشریع الاسلامی)

یہ وہ لفظ ہے جو واحد منفرد کے لئے وضع کیا گیا ہو، چاہے یہ واحد کوئی شخص جیسے محمد ہو یا نوع جیسے شخص اور انسان ہو اور چاہے جنس ہو جیسے حیوان

مثلاً"مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد"میں لفظ احمد خاص شخص کے لئے استعمال ہوا اس خاص شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی مراد قطعاً نہیں ہو سکتا۔ نظری لحاظ سے خاص کی تین اقسام ہیں پہلی "خاص شخصی" ہے جو اسم علم کے لئے استعمال ہوتی ہے جیسے عبد اللہ، محمد اور احمد وغیرہ، دوسری قسم کسی شے کی نوع کی نشان دہی کرتی ہے جیسے مرد، اور عورت دونوں اصناف انسان کی دو انواع ہیں، تیسری قسم "خاص جنسی" کہلاتی ہے۔ جیسے انسان۔

گنتی کے لئے مخصوص اعداد بھی خاص کہلاتے ہیں اس لئے نصوص (قرآن و سنت کے متن) میں آنے والے اعداد اپنے معانی کے اعتبار سے خاص ہوتے ہیں۔

خاص ہر طرح کے ابہام، اشکال اور احتمال سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے وہی معانی مراد لئے جاسکتے ہیں جن کے

لئے یہ لفظ وضع کیا گیا، جیسے قسم توڑنے پر کفارہ کے طور پر دس مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے جس کے لئے قرآن میں "عشرۃ مساکین" کہا گیا ہے یہاں پر دس سے کم یا زائد مسکین نہیں ہوسکتے۔

ساخت کے لحاظ سے خاص کی چار اقسام ہیں۔

(۱) امر

وہ قسم ہے جس میں حکم دینا یا اس سے ملتا جلتا مفہوم پایا جائے جیسے واقیموا الصلٰوۃ (نماز قائم کرو۔) میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جسے عربی میں امر کہتے ہیں۔

(۲) نہی

حاکم کا محکوم کو کسی بات سے روکنا نہی کہلاتا ہے جیسے ولا تنکحوا المشرکات حتّی یومنّ (اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لائیں) میں ایک کام سے رکنے کے لئے کہا گیا ہے جسے اصطلاحاً" نہی کہا جاتا ہے۔

(۳۔ ۴) مطلق اور مقید

مطلق سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز پر کوئی قید یا تحدید عائد نہ ہو مثلاً لفظ پرندہ مطلق ہے جس میں تمام پرندے شامل ہیں لیکن اس کے ساتھ کوئی صفت لگادی جائے جیسے "برفانی پرندہ" تو اس تعریف سے صحرائی اور گرم علاقوں کے پرندے خارج ہو جاتے ہیں۔ صرف "پرندے" کو مطلق اور "برفانی پرندے" کو مقید کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے ومن قتل مومنا خطأ فتحریر رقبۃ مومنۃ اس آیت میں کسی مومن کے قتل کے کفارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو لفظ "مومنہ" سے مقید کر دیا گیا ہے۔ یعنی غلام آزاد کرنا ہو تو مومن غلام آزاد کیا جائے۔

عام

خاص کے بالمقابل لفظ عام ہے جو کثرت کے معنوں پر دلالت کرتا ہے لفظ عام کسی غیر محصور شے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں اس جیسی اور چیزیں بھی شامل ہوں۔ یہ لفظ دو طرح کے مفہوم ادا کرنے کے لئے استعمال

ہے- یہ ضروری نہیں ہے کہ مجمل آیت کی تفسیر کوئی آیت ہی کر رہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ کسی قرآنی حکم کی تشریح حدیث نبوی سے ہو رہی ہو جیسے قرآن حکیم میں نماز قائم کرنے کا حکم جگہ جگہ ملتا ہے لیکن اس کے قائم کرنے کا درست طریقہ، جو نماز کی تمام جزئیات کو بیان کرے، ہمیں قرآن میں نہیں ملتا۔ اس مجمل حکم کو واضح کرنے کے لئے یہ حدیث مفسر ہے۔

صلوا کما رائیتمونی اصلی (مسند احمد بن حنبل - دارمی)

جس طرح مجھے نماز ادا کرتے دیکھو اس طرح نماز ادا کرو۔

مکی اور مدنی سورتوں کا فرق

فنی اعتبار سے مکی اور مدنی سورتوں اور آیات کی تعریفات ایک سے زیادہ ہیں۔ لیکن عام فہم اور سادہ الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مکی سورتیں یا آیات وہ ہیں جو ہجرت مدینہ سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں آپ پر نازل ہوئیں اور مدنی آیات اور سورتیں وہ ہیں جو ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ میں آپ پر نازل ہوئیں۔

مکی اور مدنی سورتوں میں بیان کئے گئے مضامین میں کئی اعتبار سے فرق ہے اگر چند نمایاں فرق سامنے رکھے جائیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن فہمی کے لئے مکی اور مدنی سورتوں اور آیات کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک مکی سورت میں کئی مدنی آیات آ جاتی ہیں یا مدنی سورتوں میں مکی آیات ملتی ہیں۔ لہٰذا جب تک اس بارے میں گہرا علم اور قرآن کے ایک ایک حرف اور شوشے کے بارے میں مکمل معلومات نہ ہو اس وقت تک قرآن کی تلاوت اور اس پر غور و فکر کی کوشش تو کی جاسکتی ہے لیکن دوسروں کی راہنمائی کا کام نہیں ہو سکتا۔

مکی دور میں مسلمانوں کی سیاسی تنظیم عمل میں نہیں آئی تھی، اس لئے مکہ میں نازل ہونے والی آیات اور سورتوں میں ہمیں تفصیل کی بجائے اختصار ملتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان سورتوں کے مضامین زیادہ تفصیل کے متقاضی نہیں ہیں، مثلاً وجود باری تعالیٰ، توحید، قیامت کے دن کی منظر کشی، جنت و دوزخ کے بارے میں بیان، اور سزا و جزا کا ذکر ہمیں مکی سورتوں میں ملتا ہے۔ مدنی سورتوں میں ریاست کی ہیئت کے بارے میں مضامین، دستوری مسائل، تعزیری قوانین، زکوۃ کا بیان، اور اس طرح کے مضامین کا ذکر ہے جو ایک ریاست ہی کے تناظر میں بیان کئے جاسکتے ہیں جو ان قوانین کی تنفیذ کے لئے قوت قاہرہ رکھتی ہے۔

مکہ میں وحی کے مخاطبین تمام لوگ تھے اس لئے مکی سورتوں میں یا یھاالناس (اے لوگو) اور یٰبنی آدم (اے بنی آدم) کے الفاظ سے بات کا آغاز ہوتا ہے لیکن مدینہ میں وحی کے مخاطبین مسلمان تھے اس لئے مدنی سورتوں اور آیات میں بات کا آغاز یاٰیھا الذین آمنوا (اے لوگو جو ایمان لائے ہو) کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

قرآنی سورتوں اور آیات کی تقسیم دیگر حوالوں سے

مکی اور مدنی سورتوں کے بارے میں تھوڑا بہت ذکر قرآن پر لکھی گئی تقریباً ہر کتاب میں مل جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی قرآن کی آیت کی تقسیم کئی طرح کی گئی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں اس بارے میں تفصیل اور بڑی شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی ہے۔ علامہ موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ قرآن حکیم کی تمام آیات کا مکمل تعارف مختلف پہلوؤں سے کرایا ہے جیسے مکی اور مدنی آیات، وہ تمام آیات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت سفر میں یا ان کی حالت قیام میں نازل ہوئیں، وہ آیات جو دن کو نازل ہوئیں یا رات کو، سردی کے موسم میں نازل ہونے والی آیات، اور گرمی کے موسم میں نازل ہونے والی آیات، بستر پر آپ کے جاگتے میں نازل ہونے والی آیات اور نیند کی حالت میں نازل ہونے والی آیات، وہ آیات جو آپ پر واقعہ معراج کے دوران میں آسمانی وسعتوں میں نازل ہوئیں اور وہ آیات جو آپ پر زمین میں نازل ہوئیں حتیٰ کہ ان آیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو آپ کے معراج کے سفر میں اس وقت میں نازل ہوئیں جس وقت آپ زمین اور آسمان کے درمیان تھے۔ چند ابتدائی آیات کے نزول پر بحث کرنے کے بعد علامہ سیوطی نے قرآن پاک کے اس حصے کا ذکر بھی کیا ہے جو آخری دور میں نازل ہوا۔

یہ وہ چند بنیادی علوم ہیں جن کا سیکھنا ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو قرآن فہمی کا خواہشمند ہو اس کے علاوہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تو حکم شرعی، حکم تکلیفی اور حکم وضعی کے بارے میں معلومات، فرض، واجب، مندوب، سنت، مکروہ اور حرام کی پہچان، امر و نہی میں دیئے گئے حکم یا جس شے سے روکا جا رہا ہو اس کے بارے میں قرائن سے اندازہ لگانا کہ ان اوامر اور نواہی سے کیا مراد ہے، قرآن کریم کی سات مختلف قراتوں اور مختلف النوع رسوم الخط کے بارے میں معلومات، یہ تمام علوم مختلف مواقع اور احوال کے لئے ضروری ہیں۔

قرآن فہمی کی شرائط

مذکورہ بالا علوم پر کوئی بھی شخص عبور حاصل کر سکتا ہے، ان کے لئے مسلم غیر مسلم کی شرط نہیں ہے لیکن ان

تمام باتوں سے ماوراء کچھ دوسری باتیں اور کیفیات ہیں جو قرآن فہمی کے لئے ان علوم سے بھی بڑھ کر ضروری ہیں۔ ان کیفیات کا تعلق البتہ علم کی بجائے ایمان سے ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے تدبر قرآن کے مقدمہ میں "قرآن کے طالبوں کے لئے چند ہدایات" کے نام سے ایک باب رقم کیا ہے۔ ان کے خیال میں من جملہ باقی قرآنی علوم کے یہ ازحد ضروری ہے کہ آدمی اپنے دل کے رخ کو صحیح رکھے۔ انہوں نے دل کو صحیح رکھنے کے لئے چند باتیں بیان فرمائی ہیں جن کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(ا) نیت کی پاکیزگی

قرآن فہمی کے لئے جس قلبی کیفیات کا ہونا لازمی ہے ان میں اولین چیز نیت کی پاکیزگی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پڑھتے وقت صرف یہ مطمح نظر ہو کہ اس سے ہدایت مطلوب ہے، یہ نیت نہ ہو تو پھر چاہے کتنے ہی علوم القرآن سیکھ لے نتیجہ صفر ہی برآمد ہوتا ہے۔ اسی طرح پہلے سے کوئی نقطہ نظر قائم کر لیا گیا ہو اور اس کی تائید میں قرآن سے اپنے مطلب کی آیات تلاش کرنا مقصود ہو تو ایسے لوگوں کو بھی قرآن سے کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے لیکن یہ لوگ ہدایت سے بہرہ مند نہیں ہوتے۔ اس اصول کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا (البقرہ ۲:۲۶)

اللہ اس کے ذریعہ (قرآن) سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔

یہ گمراہی والے وہی ہیں جو پہلے سے کوئی غلط رائے قائم کر کے قرآن سے اس کی تائید تلاش کرتے ہیں وہ لوگ بھی گمراہ ہوتے ہیں جو نیت کے اخلاص سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن کا فہم تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب نیت میں اخلاص ہو۔ نیت کی پاکیزگی سے مراد یہ ہے کہ خالی الذہن اور معصوم بن کر اور اس سے کچھ حاصل کرنے کا جذبہ لے کر قرآن کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کے سوا جو بھی نیت ہو وہ ہدایت کی بجائے گمراہی کی طرف کی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے مطالعہ قرآن سود مند نہیں ہے۔

(۲) قرآن کی برتری کو ماننا

قرآن فہمی کے لئے دوسری اہم چیز یہ ہے کہ اسے پڑھتے وقت اس کی عظمت، اہمیت اور مقام دل میں جاگزیں ہو۔ یہ بات پیش رکھنا اہم ہے کہ یہ کتاب دنیا کی دوسری ہر کتاب سے مختلف اور برتر ہے۔ اس بحر بے کراں میں

پائے جانے والے اور حاصل ہونے والے موتی ہر لحاظ سے سچے، خالص، کھرے اور قیمتی ترین ہیں جو دنیا کے کسی دوسرے معدن سے دستیاب نہیں ہیں۔

یہ بات ذہن میں رکھ کر اس کے حق میں دلائل بھی دیے جا سکتے ہیں۔

مثلاً کیا یہی کافی نہیں ہے کہ شتربانوں کو اس کتاب کے مطالعے نے دنیا کی فرماں روائی دی، جہاں بانی کے اسرار و رموز ان لوگوں کو سکھائے جن کی تاریخ میں جزیرہ نمائے عرب سے باہر حکمرانی کی کوئی روایات سرے سے موجود نہیں تھیں۔ اور کیا یہی دلیل کافی نہیں ہے کہ جن ان پڑھ عربوں کی باتوں کی تاریخ عالم میں کوئی اہمیت نہیں تھی اس کتاب پر یقین رکھنے کے بعد اُن کی زبانوں سے نکلنے والے ایک ایک لفظ پر اقوام عالم کی یونیورسٹیاں تحقیق کی نئی نئی جہتیں تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔

لیکن ان دلائل سے قطع نظر یہ بات زیادہ اہم ہے کہ قرآن اس ہستی کا کلام ہے جو بالا اور بلند ترین ہے اور کائنات کا ہر حصہ اس کی قدرت میں شامل ہے۔

(۳) خود کو قرآنی تقاضوں کے مطابق بدلنے کا عزم

جب پہلے دو لوازم پورے کر لئے جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی خود کو قرآن میں الہامی ہدایت کے مطابق بدل ڈالنے کا عزم بھی رکھے، یہ عجیب سی بات ہے کہ آدمی نیت کے اعتبار سے مخلص ہو اور قرآن کو برتر کلام بھی مانے اور خود کو اس کے مطابق ڈھالنے سے گریزاں بھی ہو۔ ایسی کیفیت صرف اس شخص پر طاری ہو سکتی ہے جو یا تو اللہ کا باغی ہو یا جس کا ایمان پختہ نہ ہو۔ اس لئے اگر آدمی کی زندگی قرآنی تعلیمات کے مطابق نہ ہو تو کم از کم اسے اپنے طور پر غلط ضرور قرار دے اور نیت کر لے کہ وہ قرآنی تعلیمات کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ قرآن پڑھتے ہی ایک صاحب بصیرت فوراً محسوس کر لیتا ہے کہ ایک طرف تو قرآن کے بتائے ہوئے حلال و حرام اور اوامر و نواہی ہیں، دوسری طرف خود اس کا اپنا طرز زندگی اور بے لگام خواہشات ہیں، ایسی حالت میں قرآن فہمی اسی طرح ممکن ہے جب قرآن پڑھتے پڑھتے خود کو اس کے تقاضے پورے کرنے پر بھی راغب کرے، بجائے اس کے کہ دوسروں کے لئے تو قانون سازی کا عزم ہو اور اپنی زندگی خواہشات کی پیروی کرنے میں گزر رہی ہو، ایسی حالت میں قرآن کا مطالعہ نہ تو مناسب ہے اور نہ سودمند۔

(۴) تدبر اور غور و فکر

قرآن فہمی کے لئے جس چوتھی اہم چیز کا ہونا ضروری ہے وہ تدبر ہے۔ تدبر سے مراد یہ ہے کہ قرآنی الفاظ ' اس کی تراکیب ' جملہ بندی ' اور مضامین پر گہرا غور اور فکر کیا جائے اس کو خیر و برکت کے لئے پڑھنا یقیناً" باعث ثواب ہے اور ثواب کا تعلق اخروی فلاح سے ہے لیکن دنیا کے امور میں فائدہ اسی صورت میں ممکن ہے جب قرآن کو تدبر سے پڑھا جائے۔ صحابہ کرام کا یہ معمول تھا کہ قرآنی تعلیمات کو سمجھنے کے لئے وہ آپس میں مل بیٹھتے تھے اور ایک دوسرے کے فہم اور سمجھ سے استفادہ کرتے تھے۔ انہوں نے قرآن مجید کے مطالعے کے لئے حلقے بھی قائم کر رکھے تھے جن میں شریک ہو کر وہ اجتماعی مطالعہ کرتے۔ کچھ صحابہ کے تفکر اور تدبر کا یہ عالم تھا کہ بعض روایات کے مطابق سورہ البقرہ کو سمجھنے میں آٹھ سال صرف کئے۔ خود قرآن مجید اپنے اوپر تدبر کی دعوت دیتا ہے۔

افلا یتدبّرون القرآن ام علی قلوبٍ اقفالُها (محمد' ۴۷: ۲۴)

کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ تدبر کی راہ اختیار کرنا انسان کے اپنے بس میں ہے اور تدبر سے دانستہ اور جان بوجھ کر کام نہ لیا جائے تو یہ گویا دل پر تالے چڑھا لینے کے برابر ہے۔ ایسی حالت میں اگر اخروی ثواب کے لئے قرآن پڑھا جائے تو یہ معاملہ اللہ کے سپرد ہے لیکن دنیا میں ایسے شخص کو قرآن کوئی فائدہ نہیں دیتا' چاہے وہ نیت کے اخلاص سے کتنا ہی مالا مال کیوں نہ ہو۔

(۵) اللہ تعالیٰ سے راہنمائی کے لئے دعا

قرآن فہمی کے لئے انتہائی لازمی' اہم اور بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان اس مقصد کے لئے ہر وقت اللہ سے دعا گو رہے۔ اس بات پر ایمان ضروری ہے کہ اللہ کی توجہ اور شفقت کے بغیر انسانی ذہن کسی گتھی کو سلجھانے کا اہل نہیں۔ اللہ سے قرآن فہمی کے لئے دعا کرنا یوں تو عام طور پر ضروری ہے لیکن وہ لوگ جو قرآن کا بالالتزام مطالعہ کرتے رہتے ہیں' جانتے ہیں کہ قرآن فہمی کے راستے میں کئی مقام ایسے بھی آتے ہیں جب قرآن کا طالب علم اپنی تمام کوشش کے باوجود بعض نکات سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوتا اور کوئی ایسی مشکل آ جاتی ہے جس کی کوئی بھی تاویل دل کو اطمینان نہیں دیتی۔

لہٰذا ضروری ہے کہ مشکل مقامات سامنے آنے پر اللہ سے دعا کی جائے کہ وہ بندے کے دل پر اپنی ہدایت واضح کر دے۔ یہ نسخہ محض ایمانی ہی نہیں ہے بلکہ قرآن کے کئی بلند پایہ مفسروں کا آزمودہ ہے۔ کئی مفسرین کا تو یہ

معمول رہا ہے کہ وہ رات کے پچھلے پہر کو ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھتے اور بقول مولانا اصلاحی:

"جہاں تک حکمت کا تعلق ہے تو اس کے دروازے شب کی خلوتوں کے بغیر نہیں کھلتے۔"

خلاصہ کلام

قرآن حکیم کے بارے میں یہ چند تعارفی کلمات پڑھنے کے بعد آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن حکیم کو پڑھنے اور سمجھنے میں بڑا فرق ہے اس کو پڑھنے کا اہل تو ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو محض عربی رسم الخط سے واقف ہو لیکن اس کو سمجھنا اسی فرد کے لئے ممکن ہے جس نے اس کے فہم کے حصول کے لئے اپنی عمر کا معقول حصہ صرف کیا ہو۔ غیر عرب شخص جو عربی سے واقف نہ ہو، اس کو تو اور بھی زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔ اس بات کو ذرا اور آگے بڑھایا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ محض اپنی اصلاح کے لئے تو کوئی شخص اپنے کام اور علم سے شائد مطمئن ہو جائے لیکن وہ افراد جنہیں عامتہ الناس کے لئے قانون سازی کرنا ہو ان کی ذمہ داری تو اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ انہیں تو اس میدان میں ایسے علم کی ضرورت ہے جس کا اعتراف دوسرے لوگ بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن فہمی کے جملہ لوازم سے مال مالا فرمائے۔ آمین۔

مزید مطالعہ کے لئے

اس موضوع پر تفصیل جاننے کے خواہشمند افراد درج ذیل کتب سے رجوع کر سکتے ہیں:

(۱) جامع الاصول - ڈاکٹر احمد حسن، مطبوعہ مکتبہ مجتبائی لاہور۔

(۲) فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ محمد تقی امینی مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز لاہور۔

(۳) اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور - جلد ۱/۱۶، بعنوان "قرآن"

حواشی

(۱) جامع الاصول از ڈاکٹر احمد حسن صفحہ ۱۷۲

(۲) اصول الاستنباط از سید علی تقی حیدری جلد دوم صفحہ ۲۵۸

(۳) الاحکام فی اصول الاحکام از ابن حزم جلد ہفتم صفحہ ۵۳

(۴) یہاں سے نظم سے مراد شعری صنف نہیں بلکہ حسن ترتیب ہے

(۵) اس مختصر مضمون میں نسخ کے جملہ احکام بیان کرنا ممکن نہیں، اس لئے کتب تفسیر سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

مصادر و مراجع

۱۔ ابن قیم: العلامہ شمس الدین ابوبکر ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ) "اعلام الموقعین عن رب العالمین" قاہرہ، مکتبہ ابن تیمیہ، ۱۴۰۹ھ

۲۔ اصلاحی: امین احسن، تدبر قرآن، جلد اول، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۳ء

۳۔ زیدان: عبدالکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور

۴۔ السیوطی: جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، بیدار منشورات رضی، ۱۳۰۳ھ

۵۔ الشاطبی: ابی اسحاق ابراہیم بن موسیٰ الغرناطی (۷۹۰ھ) "الموافقات" بیروت، دار الفکر

۶۔ علی حسب اللہ: اصول التشریع الاسلامی، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۹۸۷ء

''مطالعہ اسلامی قانون'' کے مطبوعہ مضامین

۱۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ اول۔قرآن

۲۔ اسلامی قانون کے مأخذ' ماخذ دوم سنت

۳۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ سوم اجماع

۴۔ اسلامی قانون کے مأخذ، ماخذ چہارم قیاس

۵۔ اجتہاد ایک تعارف

۶۔ اسلام میں قانون سازی کا تصور اور طریق کار

۷۔ دینی مسائل میں اختلاف، اسباب اور ان کا حل

۸۔ اسلام کا قانون نکاح وطلاق

۹۔ اسلام کا قانون وراثت ووصیت

۱۰۔ اسلام میں عورت کی استثنائی حیثیت اور اس کی وجوہ

۱۱۔ اسلام کا تصور ملکیت ومال

۱۲۔ اسلام کا تصور معاہدہ

۱۳۔ اسلام میں شراکتی کاروبار کا تصور

۱۴۔ مزارعت اور مساقات

۱۵۔ اسلام کا نظام محاصل

۱۶۔ اسلام کا نظام مصارف

۱۷۔ اسلام میں عدل وقضاء کا تصور

۱۸۔ اسلام کا نظام احتساب

۱۹۔ اسلامی نظام عدل وقضاء میں شہادت کا تصور

۲۰۔ اسلام کا تصور جرم وسزا

۲۱۔ اسلام کا فوجداری قانون

۲۲۔ اسلام کا دستوری قانون

۲۳۔ اسلام کا قانون بین الممالک

۲۴۔ اسلام میں ربا کی حرمت اور بلاسود سرمایہ کاری